روس میں پان ترکزم اور اسلام[1]

تلخیص و ترجمہ

تیسری علاقائی مسلم کانفرنس میں جدیدی کیمونسٹوں کا آخری نصب العین یہ قرار دیا گیا کہ (۱) روس کے تمام ترکوں کو ترک سودیت جمہوریہ یعنی ترکستان جمہوریہ کے طور پر متحد کیا جائے۔ (۲) دوسرے ترکوں کو بھی جو روس کے اندر شامل نہیں ہیں، اس سیاسی وحدت کی طرف لایا جائے جیسے کہ افغانستان، چین، ایران اور ترکی کے ترک تھے۔

(۳) سودیت جمہوریہ کے وہ ترک جو جغرافیائی اعتبارات ترکستان سوویت جمہوریہ میں شامل نہیں ہو سکتے، ان کی بڑی علاقائی وحدتیں بنا دی جائیں، جیسے کہ تاتاری اور بشکیری تھے۔

یہ قرارداد ترک قومی مملکت اور پان ترک سیاسی مقاصد کا ایک حقیقی منشور تھا اور اس کے پیش نظر کیمونسٹ پارٹی کے وسط ایشیا کی سیکشن کو نیشنلسٹ ترک کیمونسٹ پارٹی میں بدلنا اور اس کی قیادت جدیدی کیمونسٹوں کے ہاتھ میں دینا تھا۔ ماسکو کی مرکزی حکومت اس وقت وسط ایشیا کے ان حالات سے بے خبر رہی۔

ازبک جدیدیین اور کیمونسٹ انقلاب

اس میں شک نہیں کہ ازبک جدیدیین، جو اس وقت تاشقند میں کیمونسٹ پارٹی اور مقامی نظم و نسق کو کنٹرول کر رہے تھے، سچے انقلابی تھے۔ جیسا کہ ان کی اپیلوں سے ظاہر ہے، جو انہوں نے مشرق کے عوام سے "استعمار، ملائیت (clericalism)

---

[1] یہ مضمون ہارورڈ امریکہ) یونیورسٹی سے شائع شدہ ایک انگریزی کتاب سے ماخوذ ہے (مدیر)

اور جاگیرداری کی زنجیروں کو اتار پھینکنے کے لئے کی تھیں۔ لیکن انقلابی نعروں سے ان کی وابستگی کا منبع و مصدر معاشی و سماجی تبدیلیوں کے جذبے کے بجائے وہ بیس سالہ طویل جدوجہد تھی جو انہوں نے اپنے ہاں ملائیت کے خلاف کی تھی۔ نیز وہ نفرت جو انہیں نوآبادیاتی استعماری نظام سے تھی، جدیدیوں کا، جو یا تو تاجروں یا وسط ایشیا کے عربی مدرسوں کے طالبعلموں میں سے تھے، سلم یا روسی مزدور طبقوں سے بلائے نام ہی تعلق تھا، چنانچہ وہ طبقاتی کشمکش اور پرولتاری آمریت کے نظریات کو چھوٹتے ہی مسترد کردیا کرتے تھے۔ اس معاملے میں وہ اسماعیل بے گسپرنسکی کے پیروکار تھے، جس نے ۱۹۰۵ء میں کہا تھا کہ چونکہ روسی مسلمانوں کا غالب زرعی معاشرہ طبقات میں بٹا ہوا نہیں ہے، اس لئے اس میں طبقاتی کشمکش کا ظہور نہیں ہوسکتا۔ یہ ازبک جدیدیین ترک نیشنلسٹوں اور ترک کمیونسٹوں میں سب سے پہلے جنہوں نے ۱۹۲۰ء میں اس نظریے کو، جسے سب سے پہلے گسپرنسکی نے پیش کیا تھا آگے بڑھایا اور یہی نظریہ ان میں اور کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں میں سب سے بڑی وجہ نزاع بن گیا جدیدیین کا ترک اتحاد پر یقین اور طبقاتی کشمکش سے انکار ان کی تعلیمی پالیسیوں اور پارٹی کے ارکان کی بھرتی کے معاملے میں بھی بہت جلد بروئے کار آگیا وسط ایشیا میں جدیدی کمیونسٹ مقننین نے جو نئے سکول کھولے، ان میں قومی مسائل کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی اور طالب علموں کو مارکسی نظریات کے بجائے ترک قومیت کی تلقین ہوتی تھی۔ ان سکولوں میں پرولتاری اتحاد کے نہیں بلکہ ترکی اتحاد کے بیج بوئے جاتے تھے تاشقند کی اس نئی حکومت کا محکمہ تعلیمات کا کوہیار ازبک نہ تھا۔ بلکہ وہ عثمانی ترکی کے توپ خانے کا ایک فوجی افسر اور سابق جنگی قیدی آفندی تھا۔ نیز ماسکو نہیں بلکہ استنبول اور انقرہ جہاں کمال پاشا فاتح مغربی طاقتوں کے خلاف نبرد آزما تھے، ترکستان کمیونسٹ پارٹی کے ان جدیدی ارکان کی ہمدردیوں اور دلچسپیوں کا مرکز بن گئے تھے۔

جدیدی کمیونسٹوں کی تقریروں میں طبقاتی کشمکش اور بین الاقوامی مقاصد کا نہیں بلکہ خود اپنے ملک کے مستقبل کا ذکر ہوتا جیسا کہ ان کے ممتاز نظریاتی ماہر ریسکولوف نے کہا:۔ ترکستان کے لوگوں کے بارے میں جس تاریخی غلطی کا ارتکاب کیا گیا ہے، یہ اشارہ تاشقند کی دوسالہ

سابق بالشویک حکومت کی طرف تھا۔ ترک قوم پرستوں کو اس کا ادراک کرنا ہوگا۔ ترک کمیونسٹ صرف فیکٹری اور ریلوے مزدوروں کے مفاد کے لئے نہیں لڑ رہے۔ (تاشقند میں دو سال تک انہی کا نمائندہ بالشویک جتھا برسر اقتدار رہا تھا) بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنا یہ بھی فرض سمجھتے ہیں کہ وہ اس ایک ہزار میل وسیع سرزمین میں آباد لوگوں کے ثقافتی اور معاشی مفادات کی حفاظت کے لئے ان سے جا کر ملیں۔ مزید برآں ریکولوف نے قازقوں اور ازبکوں سے پارٹی کی صفوں میں شامل ہونے اور فوج میں بطور رضاکار بھرتی ہونے کی اپیل کی اس طرح وہ اپنے ترک محب الوطنوں کی مدد سے وسط ایشیا میں سوویت انتظامی مشینری اور فوج میں جدیدین کا اثر و نفوذ مضبوط کرنا چاہتا تھا کیں ۱۹۲۰ء کے موسم بہار میں سوویت حکومت کے مقرر کردہ ترک کمیشن کو محسوس ہونے لگا کہ تاشقند میں عنان اقتدار ترک قوم پرستوں کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب دوسری سوویت جمہوریتوں میں بھی مسلم کمیونسٹ ابھر رہے تھے اور وہ ترکستان کے جدیدی کمیونسٹوں کی تائید میں تھے۔

تاتارستان، وولگا یورال تاتار اور بشکیر میں ترکوں کی داخلی خود مختاری کی جدوجہد سے ترکستان کے جدیدیین کے اور حوصلے بڑھ گئے تھے۔ اس وقت سوویت حکومت کو خانہ جنگی اور بیرونی مداخلت کے خطرے سے مکمل طور پر نجات نہیں ملی تھی۔ اس لئے لینن اور سٹالن نے ترکستان اور بشکیری ترکوں کے وفدوں کو کوئی واضح جواب نہ دیا۔ لیکن جب اواخر جون میں پولینڈ کے حملہ آوروں کے یوکرین خالی کر دیا، تو ان وفدوں کو بتا دیا گیا کہ "ترک کمیشن" میں کسی مسلمان کا تقرر نہیں کیا جائیگا۔ کمیشن مذکور کے نئے ارکان فوراً ہی ازبک کمیونسٹوں کے عزائم سے واقف ہو گئے

امیر بخارا کی حکومت کا خاتمہ

اسی دوران میں نئے "ترک کمیشن" اور ترکستان میں متعین سرخ فوج نے امیر بخارا کی حکومت کو ختم کر کے ان اطراف میں سوویت اقتدار کو اور مضبوط کر دیا۔ ہوا یوں کہ تاشقند میں جدیدیین کے برسر اقتدار آنے سے نوجوان بخاریوں کے بھی حوصلے بڑھے اور انہوں نے بخارا کو زیر کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ "ترک کمیشن" اور ازبک کمیونسٹوں کے دباؤ کے تحت انہوں نے بخارا کمیونسٹ پارٹی سے اتحاد کر لیا۔ اور بعد میں وہ اسی میں مدغم بھی ہو گئے۔ ۲۹ اگست کو سرخ

فوج بخارا کی طرف بڑھی اور دو دن کی سخت جنگ کے بعد بخارا کا شہر ان کے قبضے میں آگیا۔ امیر بھاگ کر مشرقی بخارا کے پہاڑوں میں چلا گیا، جہاں اس نے اپنے حامیوں کو نئے سرے سے منظم کرنے کی کوشش کی۔

نوجوان بخاری سرخ فوج کے ساتھ پایۂ تخت بخارا شہر میں داخل ہوئے۔ اور انہوں نے حکومت کی تنظیم نو شروع کر دی۔ بخارا میں عوامی جمہوریہ کا اعلان کیا گیا۔ جس میں کہ کمیونسٹ یا سوشلسٹ حکومت کی قسم کی کوئی چیز نہ تھی۔ اکثر نظارتیں۔ (وزارتیں) دو دولت مند تاجر خاندانوں کے ہاتھ میں آئیں۔ جو شروع سے بخارا کی لبرل تحریک کی حمایت کر رہے تھے۔ نوجوان بخاریوں نے اپنے اقدامات کی تائید میں قرآن اور شریعت کے احکام پیش کئے اور آبادی سے یہ وعدہ کر کے کہ "یورپی سوشلزم کی زیادتیوں کے خلاف پوری قوت سے لڑا جائیگا" اسے پرسکون رکھا یورپی سوشلزم سے ان کی مراد غیر کمیونسٹ یورپی نوآبادیاتی قوتیں تھیں۔ اسی طرح ان کے تعلیمی پروگرام میں بھی کمیونزم کے بجائے قطعی طور پر پان ترکزم کا رجحان تھا۔ مقامی زبان صرف پرائمری سکولوں میں پڑھائی جاتی تھی۔ سیکنڈری (ثانوی) درجوں میں "قومی ترکی ادبی" زبان۔۔۔ یعنی عثمانی ترکی کو مروج کیا گیا۔ ان کے پروگرام کے انقلابی نکات وہ وعدے تھے، جو ملائیت کی زیادتیوں کے سد باب، ایشیا سے یورپی صنعت کاروں اور کارخانہ داروں کے صنعتی و تجارتی اثر و نفوذ کو ختم کرنے نظم و نسق حکومت کو بہتر بنانے اور امیر بخارا اور طبقہ اشراف کی زمینوں کو ضبط کرنے کے سلسلے میں کئے گئے تھے۔ اس ضمن میں نہ تو پرولتاری آمریت کے قیام اور نہ نجی جائداد ہی کو ختم کرنے کے بارے میں کچھ کہا گیا۔ غرض نوجوان بخاریوں کے پورے پروگرام کی امتیازی خصوصیت کمیونسٹ عقائد سے کہیں زیادہ ترک قوم پرستانہ نعرے تھے۔

بخارا اور عین انہی دنوں خیوا میں جو سیاسی نظام بروئے کار لایا گیا، وہ مشتمل تھا اس عہد کی مشرق وسطیٰ کی سوسائٹی کے بوژوائی ڈھانچے اور کمیونسٹ سسٹم کنٹرول پر۔ بہرحال بخارا عوامی جمہوریہ کے قیام سے وقتی طور پر یہ ضرور ہوا کہ وسط ایشیا میں کوئی غیر کمیونسٹ مخالف سیاسی مرکز نہ رہا اور کسی غیر ملکی مداخلت کے لئے بخارا کی امارت جو ایک اڈا

ختی تھی، اس کا سدِ باب ہوگیا۔[۱]

فتح بخارا ہی کے دنوں میں باکو میں مشرقی اقوام کی پہلی کانگرس منعقد ہوئی، جو ایشیا میں بالشویکوں کی انقلابی قوتوں کا سب سے موثر مظاہرہ تھا۔ اس میں نہ صرف روس کی تمام ترک قوتوں اور اس کے مشرقی حصوں کے لوگوں کے ڈیلیگیٹ شریک ہوئے بلکہ ایشیا کے اکثر آزاد اور محکوم ملکوں کے نمائندے بھی آئے۔ یہ کانگرس "تھرڈ انٹرنیشنل" کے زیرِ اہتمام ۱-۹ ستمبر ۱۹۲۰ء کو ہوئی اس میں ایک جدیدی کمیونسٹ نربوت بیکوف نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"ہم ترکستان کے انقلابیوں کے نمائندے ان ہزار ہا ہزار سیاہ رُو ملاؤں میں سے کسی ملا سے نہیں ڈرتے ہم نے سب سے پہلے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ اور آخر وقت تک ہم اس جھنڈے کو نیچا نہیں ہونے دیں گے۔ یا تو ہم اس جدوجہد میں مٹ جائیں گے یا فائز و کامیاب ہوں گے"

موصوف کی اس تنقید سے خود سوویت لیڈر بھی نہ بچے۔ اس ضمن میں اس نے کہا۔

"ترکستان کے عوام کو دو محاذوں پر لڑنا ہے ایک تو خود اپنے ہاں ان سیاہ رُو مُلّاؤں سے۔ اور دوسرے مقامی یورپیوں کے تنگ دلانہ قومی رجحانات کے خلاف، نہ تو کامریڈ زینوف، نہ کامریڈ ٹراٹسکی ہی بلکہ یہاں تک

۱؎ بعد میں ان "نوجوان بخاریوں" کو سوویت یونین نے اقتدار سے برطرف کر دیا، اور ان میں سے کئی ایک بھاگ کر ترکی پہنچے۔ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم جب کابل سے بخارا ہوتے ہوئے روس گئے، اور وہاں سے استنبول تشریف لے گئے۔ تو آپ کی بخارا کے نوجوان زعماء سے استنبول میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ مولانا مرحوم فرماتے تھے۔ ان نوجوانوں نے مجھ سے کہا کہ ہم مانتے ہیں، ہم سے بہت سی غلطیاں ہوئیں۔ اور ان غلطیوں کا ہمیں خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔ لیکن اب تک ہمارا یہ یقین اپنی جگہ پر قائم ہے کہ ہم نے امیرِ بخارا کا تختہ الٹا تھا اور اسے بھاگنے پر مجبور کیا تھا۔ تو یہ ہمارا صحیح اقدام تھا، اور ہمیں آج بھی اس کے متعلق کوئی افسوس نہیں۔

(محمد سرور)

کہ کامریڈ لینن تک بھی ترکستان کی صحیح صورت حال کو نہیں جانتے۔ ہم محض صفحۂ کاغذ پر نہیں بلکہ حقیقی زندگی میں حریت، مساوات اور اخوت کے اصولوں کے عملی نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں۔"

عین اس مرحلے پر سوویت حکومت اور کمیونسٹ قیادت نے اس صورت حال پر پوری طرح قابو پانے کا فیصلہ کیا۔ پہلے تو وسط ایشیا سے کمیونسٹ دشمن روسی آبادکاروں کا صفایا کیا گیا اس کے بعد ان کمیونسٹوں کی جو زیادہ تر جدیدی تھے، باری آئی۔ ان میں سے وہ لوگ جو پرولتاری آمریت اور طبقاتی کشمکش پر یقین نہیں رکھتے تھے اور اس کے بجائے ترکی قوم پرستانہ آئیڈیالوجی کے علمبردار تھے، وہ اپنے عہدوں سے الگ کر دیئے گئے۔ اور "ترک کمیشن" کی سفارشات پر ماسکو کی طرف سے ایک نئی بیورو کا تقرر عمل میں آیا۔ غرض مصنف کے الفاظ میں۔

"تقریباً تین سال کی نسبتاً آزادی کے بعد ترکستان میں کمیونسٹ پارٹی کی علاقائی تنظیم آخرکار بلاشرکت غیرے ماسکو کے کنٹرول میں آگئی اور بجائے "ترکی" ہونے کے "بین الاقوامی" بن گئی۔"

لیکن ۱۹۲۰ء میں جدیدیین کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا گیا، جس کا نشانہ بہت سے کمیونسٹ دشمن روسی بنے تھے۔ انہیں صرف قیادت سے ہٹا دیا گیا اور ان کی جگہیں "ازبک مزدوروں" سے پر کی گئیں۔ اس کے علاوہ دیہات کے بڑے بڑے زمینداروں (بیوں۔ بے کی جمع) اور "لوٹ کھسوٹ کرنے والوں" کے مقابلے کے لئے دہقانوں یعنی کسانوں کی یونینوں کی تنظیم کی گئی۔

ایک طرف تو ۱۹۲۰ء - ۱۹۲۱ء کے موسم سرما کے دوران ترکستان میں پارٹی مشنیری اور نظم و نسق میں مزید تبدیلیاں کی جاتی رہیں اور دوسری طرف مقامی آبادی کو تعلیمی اور مذہبی زندگی میں متعدد معمولی سی مراعات دی گئیں۔ اتوار کے بجائے ہفتہ وار چھٹی جمعہ کو کر دی گئی۔ نظم و نسق حکومت اور پارٹی کے علاوہ ڈاک و تار کے محکموں میں بھی ازبک زبان رائج کی گئی اور بہت سے مقامی لوگوں کو سرکاری ملازمتوں میں لے لیا گیا۔ لیکن علاقائی نظم و نسق کے اہم شعبے بدستور ماسکو کے سخت کنٹرول میں رہے۔

۱۹۲۴ء میں روسی ترکستان اور خیوا و بخارا کی امارتوں کی سابق انتظامی حدود بالکل ہی ختم

کردی گئیں چنانچہ خالص قومیتوں کی بنیادوں پر یہ چار نئی جمہوریتیں ہیں :- ازبکستان، کرغیزیا، ترکمانستان، اور تاجکستان۔ ان میں سے دو- ترکمانستان اور ازبکستان۔ کو تو فوراً ہی یونین جمہوریہ کا درجہ مل گیا۔ اور وہ سوویت یونین کی پوری رکن بن گئیں۔ تاجکستان ۱۹۲۹ء تک ازبکستان کے اندر ایک خود مختار جمہوریہ رہا، اس کے بعد ۱۹۳۶ء میں اسے بھی یونین جمہوریہ کا درجہ دے دیا گیا۔ یہ نئی تقسیم جدیدیین کی ان آرزوؤں پر کہ تمام وسط ایشیا کو ایک ترک مملکت کے تحت متحد کیا جائے، ایک ضرب کاری تھی۔ وسط ایشیا کی ترک آبادی کو اب تین قومی وحدتوں میں متفرق کر دیا گیا، اور ان میں سے ہر ایک کی مقامی زبان کو قومی زبان کا درجہ دے دیا گیا۔ اس ضمن میں وسط ایشیا کے مستقبل کے لئے اس سے بھی زیادہ اہم یہ بات ہوئی کہ تاجکستان کو فارسی زبان والی ایک غیر ترک جمہوریہ بنا دیا گیا تاکہ وہاں مزید ترکیت کے فروغ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔

آذربائیجان کی آزاد ریاست

دونگا سے لے کر سطح مرتفع پامیر تک کے اس "ترک خطے" کی مختلف قومیتوں میں جو تاتاریوں بشکیریوں، قازقوں اور وسط ایشیائی ترکوں پر مشتمل تھا، قومی تحریکیں ایک دوسرے سے مربوط رہیں کیونکہ یہ قومیتیں جغرافیائی لحاظ سے باہم متصل تھیں لیکن روس کی وہ ترک قومیں جو اس "ترک خطے" سے باہر تھیں، جیسے کہ کریمیا کے تاتاری اور آذربائیجانی، اس انقلابی دور میں ان کی تاریخ بالکل مختلف تھی۔ کریمیا میں اگرچہ تاتاری کل آبادی میں ایک تہائی سے بھی کم تھے لیکن انہوں نے اس جزیرہ نما پر جنوری ۱۹۱۸ء میں سوویت قبضے سے قبل دوبارہ اپنی الگ ریاست بنانے کا عملی مظاہرہ کیا۔ پہلی بار جب جرمن فوجیں کریمیا سے نکلیں تو یہ ریاست ختم ہو گئی، دوسری بار اکتوبر ۱۹۲۱ء میں خود سوویت حکومت نے کریمیا کی تاتاری جمہوریہ کو زندہ کیا اور باوجود اس کے کہ وہاں غیر ترک اکثریت تھی، نظم و نسق اور تعلیم کی اہم زبان تاتاری قرار دی گئی۔

کوہستان کاکیشیا کے ماوراء آرمینیا، جارجیا اور آذربائیجان میں اس عرصہ میں بڑے اہم سیاسی واقعات رونما ہوئے۔ آذربائیجان میں مسلمانوں کی سب سے موثر سیاسی پارٹی "مساوات"

تھی جو عثمانی ترکی سے ہمدردی رکھتی تھی۔ سوشل ڈیموکریٹس کے اس گروپ میں جسے اسٹالن نے ۱۹۰۴ء میں "ہمت" کے نام سے منظم کیا تھا، اور دوسرے مقامی سوشلسٹ گروپوں اور "مساوات پارٹی" میں ایک حد تک باہم رواداری پائی جاتی تھی۔ اپریل ۱۹۱۷ء کے آغاز میں قدامت پسند مغربی آذربائیجانیوں کے طبقہ اشراف نے جو آغا لرگروہ (خان، بے، اور سلطان) اور علماء پر مشتمل تھا گنجہ[1] میں اپنی ایک قوم پرست ترکی فیڈرل پارٹی بنائی، یہ "مساوات" سے زیادہ اعتدال پسند اور بڑی شدت سے اسلامیت کی علمبردار تھی۔ اس نے آغا لرگروہ کی زمینداریوں کو قومی ملکیت میں لینے کی مخالفت کی۔ دیہاتی عوام میں اس پارٹی کا کافی اثر و نفوذ ہوگیا۔ اور اس طرح یہ مساوات کی جو زیادہ تر شہروں میں تھی۔ ایک حریف بن گئی۔ آخر "مساوات" کے لیڈر رسول زادہ نے اس پارٹی سے مفاہمت کرلی۔ چنانچہ دیہات میں تو اس فیڈرل پارٹی کا اثر رہا، اور باکو میں "مساوات" کا گروپ کام کرتا رہا۔

انقلاب اکتوبر ۱۹۱۷ء کے فوراً بعد ماورائے کاکیشیا کی تین قوموں۔ آرمینیوں۔ جارجیوں اور آذربائیجانیوں۔ نے سوویت حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا، "مساوات" والوں کا چونکہ پہلے سٹالن اور "ہمت" کے بالشویک گروپ سے تعاون رہ چکا تھا، اس لئے وہ انقلاب اکتوبر کے بعد کافی مہینوں تک سوویت منشوروں کی ان دفعات سے جو قومیتوں کی حق خود ارادی کے متعلق تھیں، متاثر رہے لیکن اسی دوران میں باکو میں آرمینیوں اور آذربائیجانیوں میں (۱۳۰ مارچ ۱۹۱۸ء) تصادم ہوا جس میں آخر الذکر کو کافی جانی نقصان پہنچا۔ اس کے بعد "مساوات" والے کلی طور پر عثمانی ترکی کی طرف دیکھنے لگے۔ اسی زمانے میں عثمانی ترک افواج آذربائیجان میں داخل ہوگئیں۔ ان کا آذربائیجانی مسلمانوں نے بڑے جوش و خروش سے استقبال کیا۔ اور انہیں باکو سوویت اور آرمینیوں کے خلاف اپنا محافظ سمجھا نیز "مساوات" والوں نے بھی خیال کیا کہ آخرکار عثمانی ترکی سے متحد ہو جانے کی توقع پوری ہو رہی گئی۔ آذربائیجان کے وزیراعظم خان خوئسکی نے ان الفاظ سے ترک فوجوں کا استقبال کیا تھا۔

> آذربائیجان نے آخرکار اپنا مقصود پالیا اور ایک صدی سے تمام ترکوں کو سلطان کے جھنڈے تلے جمع کرنے کا جو نصب العین تھا، اس کی تکمیل ہوگئی

---

[1] فارسی کے مشہور شاعر نظامی گنجوی اسی گنجہ سے منسوب تھے (مدیر)

اب دولگا کے تاتاری، ماورائے کیپسین کے سارٹس، وسط ایشیا کے
ازبک، کرغیزی اور خیوا و بخارا کے لوگ بڑی آرزوؤں سے آزادی دلانے
والی ترک افواج کی آمد کی راہ دیکھ رہے ہیں۔"

اس تقریر کے بعد آذربائیجانیوں اور ترکوں دونوں نے "زندہ باد افواج ترکیہ اور زندہ باد اتحاد اتراک" کے نعرے لگائے۔ ۷ ر ستمبر ۱۹۱۸ء کو رسول زادہ آذربائیجانی وفد کے دوسرے ارکان سمیت استنبول پہنچ کر انہی الفاظ میں اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ سلطان کی مشفقانہ سرپرستی کے تحت آذربائیجان ترقی کرے گا۔

اس وقت "مساوات" والوں کو واقعی یہ یقین تھا کہ پہلی جنگ عظیم میں ترکی جرمنی فتح کے نتیجے میں وہ ترکی کی مدد سے تمام روسی ترکوں کی ایک مملکت یا فیڈریشن بنا سکیں گے۔ باکو پر قابض ہونے کے بعد ترکی فوجیں داغستان کی طرف بڑھیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا ارادہ روس کے دوسرے مسلمان علاقوں کو بھی اپنے زیراثر لانے کا تھا۔ لیکن جیسے ہی جرمن آسٹریا اور ترکی پر برطانیہ فرانس اور ان کے اتحادیوں کو فتح ہوئی، مشرق قریب کی تمام صورت حال بدل گئی روس میں ترکی افواج کی پیش قدمی رک گئی۔ اور برطانیہ کے مطالبے پر ۱۰ ر نومبر ۱۹۱۸ء کو ترکی افواج نے صرف دو ماہ کے قبضے کے بعد باکو اور دوسرے ماورائے کاکیشیا کے علاقے خالی کر دیئے۔ اور برطانوی فوجیں وہاں داخل ہو گئیں۔

خارجی اور داخلی مشکلات میں برابر گھرے رہنے کی وجہ سے آذربائیجان میں "مساوات پارٹی" کی حکومت کوئی خاص قابل ذکر اصلاحات نافذ نہ کر سکی۔ اس نے ایک دو بار زرعی اصلاحات نافذ کرنی چاہیں، لیکن پارٹی کا دایاں بازو سابق فیڈرل گروپ اس میں آڑے آیا، اور پھر چونکہ باکو کے تیل کی برآمد میں مشکلات پیدا ہو گئی تھیں اس لئے ملک اقتصادی بحران کی لپیٹ میں آ گیا جس کی وجہ سے ہڑتالیں ہوتی رہیں۔ صرف ایک میدان میں آذربائیجان کی یہ چندروزہ حکومت کچھ کر پائی۔ اور وہ اس کا تعلیمی نظام کا ترکیت کے قالب میں ڈھالنا تھا۔ غرض تمام سرکاری سکولوں میں روسی زبان کی جگہ آذربائیجانی یا عثمانی ترکی رائج کر دی گئی، کئی نئے ثانوی سکولوں اور ایک یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا اور قومی صحافت کو بھی بڑا فروغ ہوا۔

ترکی افواج کے انخلاء (موسم سرما ۱۹۱۸ - ۱۹۱۹) کے بعد "مساوات" کے متعلق برطانوی

خدشات کو دور کرنے کے لئے ایک آذربائیجانی پارلیمنٹ بھی منتخب کی گئی، جو زیادہ موثر نہ تھی۔ کیونکہ اقتدار تمام تر مساوات کے سیاست دانوں، تیل کے تاجروں اور صنعت کاروں اور گنجہ کے زمینداروں کے ہاتھ میں رہا۔ پارلیمنٹ کے ایک سو اکان میں سے مساوات نے ۳۸، خان خوئسکی کے گروپ نیشنل ڈیموکریٹس نے حکومت کے حلیف مسلم سوشلسٹوں نے ۱۲ اور شمال مغربی آذر بائیجان کے ایک ترقی پسند (پروگریسو) سنی گروپ احرار نے ۷ نشستیں حاصل کیں۔ مساوات کے سخت ترین مخالف انتہائی دائیں بازو کے "اتحادیوں" کو جو قدامت پسند علماء پر مشتمل تھے ۱۳ نشستیں ملیں۔ باقی اقلیتوں اور دوسرے چھوٹے چھوٹے گروہوں کے نمائندے تھے۔

آذربائیجان کی آزاد ریاست کی بدقسمتی یہ تھی کہ اس کی سب سے بڑی حکمراں پارٹی "مساوات" ایک ہم آہنگ سیاسی تنظیم نہ تھی۔ اس کے بائیں بازو کی قیادت رسول زادہ وغیرہ باکو کے دانش وروں کی تھی، جو لبرل ہونے کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی انتہا پسندی کی طرف بھی چلے جاتے تھے اس کا دائیں بازو طبقہ اشراف کا تھا، اور ان دونوں میں برابر نزع رہا۔ ۱۹۲۰ء کے اوائل میں رسول زادہ کی کوششوں سے سوویت یونین سے روابط قائم کئے گئے۔ آذربائیجان میں کمیونسٹ پارٹی کی قانونی حیثیت تسلیم کرلی گئی اور مقامی کمیونسٹوں کے بارے میں زیادہ رواداری کی پالیسی کا نفاذ کیا گیا۔

اس ضمن میں غیر متوقع بات یہ ہوئی کہ سوویت حکومت سے مصالحت کی اس نئی پالیسی کی تائید نہ صرف "مساوات" کے بائیں بازو اور مسلم سوشلسٹوں نے کی، بلکہ انتہا پسند دائیں بازو والے "اتحادی" بھی اس کے حق میں تھے۔ یہ گروہ "مساوات" سے کم قوم پرست تھا۔ اور اپنی پارٹی کے پروگرام کی بنیاد اسلام کے مذہبی اصولوں پر رکھتا تھا۔ اتحادیوں پر شیعہ علماء کا غالب اثر تھا۔ ایک تو شیعیوں اور سنیوں کی روایتی مخالفت، دوسرے شیعہ علماء کا ایران کی مذہبی زندگی اور اسکی ثقافت سے جو تعلق تھا اس کی وجہ سے "اتحادی" ترکیت کے خلاف تھے۔ ان کے نزدیک پان ترکزم کے حامیوں کی قوم پرستی جو مذہبی اصولوں کے مقابلے میں لسانی اور نسلی اتحاد کو مقدم سمجھتے تھے، تعلیمات نبویؐ کے مخالف تھی۔ ان کا کہنا تھا:۔ اسلام ہمیشہ سے ایک عالمگیر مذہب رہا ہے۔ اور اس کا قومی تحریکوں سے کوئی تعلق نہیں۔ (مسلسل)